بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دو

اعداد:
محمد طاہر نقاش

دار الابلاغ
DARULIBLAGH

www.KitaboSunnat.com

کتاب وسنت کی اشاعت کا مثالی ادارہ

بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دو

افادات .... محمد طاہر نقاش

پہلا ایڈیشن .... فروری 2010

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 0300-4453358, 042-7361428

دار الابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمٰن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 042-7361428, 0300-4453358

فہرست

❀ سچی بات : بادشاہ کا ہاتھ کیوں کاٹا جائے؟ 7
❀ اللہ تعالیٰ کا گھر 9
❀ زخمی شہزادہ اور رحمدل بادشاہ 13
❀ شہزادی کی شادی 15
❀ شہزادیوں کی عید 19
❀ لاشیں چوراہوں میں لٹکا دی گئیں 24
❀ ذہانت ہو تو ایسی 28
❀ بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دو 31
❀ اور پھر بت کرچی کرچی کر ڈالے 33
❀ حسین چہرہ 37
❀ کردار کی جیت 40
❀ دین سے محبت 41

❀ رومی جرنیل پرچم اسلام کے سائے تلے 43
❀ فقیر گورنر 48
❀ بادشاہ قاضی کی عدالت میں 51
❀ چالاک سفیر کی ذہانت 55
❀ غریب بادشاہ 57
❀ اتنی بڑی مچھلی 59
❀ بھوک پیاس کا عذاب 61

سچی بات

بادشاہ کا ہاتھ کیوں کاٹا جائے؟

ننھے منے پیارے پیارے بچو اور راج دلارے بچو! ......

دنیا کا کوئی بھی خطہ ہو، ملک ہو یا علاقہ ہو، جہاں جرم کرنے والے کو یہ ڈر ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ جس طرح زیادتی یا ظلم کیا تو مجھے بھی اسی طرح سزا دی جائے گی۔ مثلاً: اگر کسی کو یہ علم ہو کہ میں نے کسی کا مال اسباب چرایا تو میرا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا، تو وہ کبھی بھی کسی پر ظلم یا زیادتی نہ کرے گا۔ پھر خواہ عام انسان ہو یا کوئی افسر و وزیر یا بادشاہ ہی ہو، اسے اعلیٰ عہدہ کی وجہ سے چھوٹ یا رعایت نہ دی جائے گی، بلکہ کٹہرے میں مجرم کی حیثیت سے کھڑا کر کے سرِ عام سزا دی جائے گی ...... تو اس کا بہت اچھا اثر اور نتیجہ یہ نکلتا ہے، کہ خطہ یا علاقہ یا ملک پورے کا پورا امن کا گہوارہ بن جاتا ہے، ہر طرف، سکون و راحت اور آرام و بے خوفی کی فضا قائم ہو جاتی ہے۔

اس کتاب میں ایک بادشاہ کا ایسا ہی واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں ایک بادشاہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ یہ حکم کیوں دیا گیا، یہ آپ کو

کتاب پڑھ کر پتہ چلے گا۔ بلکہ اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں متعدد بادشاہوں، شہزادوں اور شہزادیوں کی سچی عبرتناک اور سبق آموز کہانیاں بیان کی گئی ہیں۔ آپ پڑھیں اور اپنے دامن کو نصیحت و ہدایت کے تابناک موتیوں سے بھر لیں۔ تاریخ کے صفحات پر ماضی میں رونما ہونے والے ان حقیقی واقعات سے عبرت پکڑیں اور کوئی بھی ایسا کام نہ کریں جس سے آپ کے والدین، بہن بھائی، دوست احباب اور سب سے اہم یہ کہ آپ کا رب کریم اور آخری نبی رسول عربی ﷺ ناراض نہ ہوں۔

والسلام

خادم کتاب و سنت

۲۱ اکتوبر ۲۰۱۰ء لاہور

❀❀❀

اللہ تعالیٰ کا گھر

سطح سمندر سے 3 سو میٹر بلند سرزمینِ حجاز کے پہاڑوں کے دامن میں گھرا ''مکہ مکرمہ'' یہ کرہ اراضی کا وسط اور درمیانے مقام سے تاریخ کے اوراق میں دیکھیں تو بعض روایات کے مطابق اس شہر کی بنیاد رکھنے والے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور فرمانبردار لشکر تھے جنہیں ہم ''ملائکہ یا فرشتے'' کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جب آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو فرمایا کہ ''میں تمہارے ساتھ ایک گھر بھی اتار رہا ہوں جس کا طواف کیا جائے گا۔'' جب اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پانی میں غرق کیا تو اس وقت اس گھر کو اٹھا لیا' اس کے بعد سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو یہ سعادت نصیب فرمائی کہ اللہ کی طرف سے جگہ کی نشان دہی کرنے پر اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر یہاں اس کے گھر کو تعمیر کریں اور یوں انسانوں میں بیت اللہ کے پہلے معمار ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے جن پانچ

پہاڑوں کے پتھر سے اس کی تعمیر کی ان کے نام ''حراء، ثبیر، لبنان، طور اور جبل الخیر'' ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس پاکیزہ شہر کو اپنے گھر کے لیے منتخب فرمایا۔ نبی آخرالزمان اور عالم کی پیدائش اور آپ کی بعثت کا شرف بھی اس مبارک شہر کو حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس شہر کی زیارت اور ادائی مناسک کے لیے سفر کو فرض قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا بھر کے اہلِ ایمان خشوع و خضوع اور عاجزی کے ساتھ یہاں چلے آتے ہیں۔ یہی وہ با عظمت شہر ہے جس کی حرمت کی قسم رب ذوالجلال نے دو مرتبہ کھائی ہے۔ جس کا ذکر سورۃ البلد اور سورۃ التین میں کیا۔ فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے اس وقت حرمت والا قرار دیا جس دن اس آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا' اس کی حرمت روز قیامت تک جاری رہے گی' اس میں جنگ، قتال کی اجازت اللہ کے نبی ﷺ کے سوا اور کسی کو نہیں' وہ بھی صرف چند گھڑیوں کے لیے ہے۔'' حرم مکہ کی حدود میں کسی درخت: جھڑی، گھاس کو کاٹنا جائز ہے اور نہ ہی اس کی حدود میں کسی جانور کو پکڑنا اور ذبح کرنا جائز ہے۔

یہی وہ عظمتوں اور عصمتوں والا شہر ہے جس کی مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنے سے ایک لاکھ گنا اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسی شہر میں وہ قبلہ ہے جس کی طرف نماز پڑھنا پوری امت مسلمہ کے لیے لازم قرار دیا ہے' جس کی مسجد

میں نماز پڑھنے سے ایک لاکھ گنا اجر وثواب ملتا ہے۔ قضائے حاجت کے وقت اس کی طرف منہ یا پشت کرنا جائز نہیں۔

اس بابرکت شہر میں ایسے مقامات ہیں جہاں دعائیں قبول ہوتی ہیں' گناہ مٹتے' خطائیں معاف' اورمشکلات حل ہوتی ہیں۔اسی شہرِ امن کی خصوصیت ہے کہ یہاں پر ہتھیاروں سے مسلح ہونا بھی ناجائز ہے، نیز اس میں کفار مشرکین کا داخلہ بھی منع ہے۔

یہ ایسا پرکشش شہر ہے جو دلوں کو مقناطیس کی طرح کھینچتا ہے۔ ایسا شیریں چشمہ ہے جس سے سیرابی ہوتی ہے مگر دل نہیں بھرتا' جتنی زیادہ اس کی زیارت کی جائے اتنا ہی شوق بڑھ جاتا ہے' اس شہر میں موجود بیت اللہ کو صرف دیکھنے سے بھی اللہ کی طرف سے رحمتوں کا نزول ہوتا ہے' اسی لیے رحمت دو عالم سرور کائنات محمد ﷺ نے ہجرت کے وقت اس مقدس شہر کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! اے بیت اللہ! میں تجھے چھوڑ کر جا رہا ہوں یہ جانتے ہوئے کہ تو اللہ کے نزدیک سب سے معزز ومحبوب ہے، کاش! تیرے مکینوں نے مجھے یہاں سے نکلنے پر مجبور نہ کیا ہوتا تو میں یہاں کے علاوہ کبھی کسی دوسری جگہ سکونت اختیار نہ کرتا۔''

اللہ رب العزت نے تو اس بابرکت اور عظمتوں والے شہر کی جہاں قسمیں کھائی ہیں اور اس کی حفاظت بھی کی۔ ابرہہ جب اپنے ناپاک

ارادے سے لے کر مکہ مکرمہ کو فتح کرنے اور کعبۃ اللہ کو گرانے کے لیے چلا تو اللہ تعالیٰ نے پرندوں سے ہاتھیوں کے لشکر کو نیست و نابود کر دیا، نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''قیامت کے قریب جتنے بھی فتنے اٹھیں گے، دجال اپنی جھوٹی خدائی کا دعویٰ کرے گا تو اللہ کی طرف سے یہ مقدس اور پاکیزہ سرزمین اس کے تمام تر فتنوں سے محفوظ رہے گی' اس کی حفاظت فرشتے کریں گے۔'' مکہ مکرمہ، مملکت سعودی عرب میں حجاز کے جنوبی حصے میں واقع ہے۔ مکہ کا پرانا نام بکّہ ہے۔ جب کہ مکۃ المکرّمہ کو بلدالامین، ام القریٰ، بیت العتیق اور بیت الحرام بھی کہا جاتا ہے۔ مکہ جیسے عظیم شہر میں' 8 ذی الحجہ کو مدینہ کے گوشے گوشے سے لاکھوں مسلمان مرد' عورتیں' بچے بوڑھے' رنگ اور زبانیں مختلف ہونے کے باوجود جمع ہوتے ہیں اور اسلام کے رکن حج کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

زخمی شہزادہ اور رحمدل بادشاہ

بچہ جب لنگڑاتا ہوا اور روتا ہوا محل میں داخل ہوا تو اسے اس حالت میں دیکھ کر ملکہ کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ روتی چیختی بچے کے پاس گئی، اسے دیکھا تو اسے سخت چوٹ لگی تھی، کئی جگہوں سے خون بہہ رہا تھا اور گھٹنے کی ہڈی ٹوٹ چکی تھی ۔ بچہ تکلیف سے بے حال ہو رہا تھا۔ بچے کی یہ حالت دیکھ کر ملکہ بدحواس ہوگئی۔ اس نے بچے سے پوچھا کہ تمہیں کس نے مارا ہے؟ بچے نے ایک لڑکے کا نام بتایا جس کے ساتھ وہ کھیل رہا تھا۔ کھیل ہی کھیل میں لڑائی ہوگئی، اس لڑکے کے ہاتھ میں ایک لکڑی تھی ۔اس نے اسی سے اچھی طرح خلیفہ کے بیٹے کی مرمت کر دی ۔ یہ سن کر ملکہ آگ بگولہ ہوگئی، اس نے فوراً ملازموں کو حکم دیا کہ فلاں بچہ پکڑ لاؤ۔ وہ اس لڑکے کو پکڑ کر محل میں لائے تو لڑکے کے پیچھے پیچھے اس کی ماں بھی روتی پیٹتی آگئی، خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ سو رہے تھے، شور سنا تو اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئے اور پوچھا: کیا بات ہے؟ ملکہ نے اپنے لڑکے کی ٹوٹی

ہوئی ٹانگ دکھائی۔ ملزم لڑکے کی ماں رو رو کر کہہ رہی تھی یہ میرا بیٹا ہے، اس کا باپ مر چکا ہے عمر بن عبد العزیزؒ نے عورت کو قریب بلایا اور پوچھا: کیا اسے بیت المال سے تنخواہ ملتی ہے؟ عورت نے عرض کیا: ''نہیں۔'' خلیفہ نے حکم دیا اس عورت اور اس کے یتیم بچے کا نام فوراً رجسٹر میں درج کیا جائے اور انہیں پابندی سے روزینہ ادا کیا جائے۔ بیوی نے سخت احتجاج کیا کہ اس نے آپ کے بیٹے کو لنگڑا کر دیا۔ سزا دینے کے بجائے آپ الٹا اسے روزینہ اور گزارہ الاؤنس دے رہے ہیں۔ آپ دیکھیں گے آیندہ وہ آپ کے دوسرے بیٹے کو بھی لنگڑا کر دے گا۔ جناب عمر بن عبد العزیزؒ نے فرمایا: ''اللہ کو یہ بات زیادہ پسند ہے کہ قدرت ہونے کے باوجود آدمی معاف کر دے اور اگر حکومت ملے تو عوام کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا جائے' کیونکہ اسلام کے نظام حکومت کی بنیاد ہی عوام کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک پر قائم ہے۔ قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے نہ کہ مخدوم اور جابر سلطان۔''

شہزادی کی شادی

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت تھا۔عبداللہ بن ابی سرح مصر کے گورنر تھے۔شمالی افریقہ پر ایک رومی گریگوری کی حکومت تھی، جس کی بیٹی فلپانا بڑی دلیر لڑکی تھی اور جنگ میں مردوں کے دوش بدوش داد شجاعت دیا کرتی تھی۔مسلمانوں اور عیسائیوں میں زبردست جنگ ہو رہی تھی۔اگرچہ عیسائیوں کی فوج مسلمانوں کے مقابلے میں چار گنا زیادہ تھی، لیکن پھر بھی مسلمان بہادری، دلیری اور جواں مردی سے عیسائیوں کے حملوں کو روک رہے تھے۔جس کے باعث لڑائی طول پکڑ رہی تھی۔جب مدت تک لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہوا تو گریگوری نے اعلان کیا کہ جو رومن سپاہی مسلمانوں کے سپہ سالار ابن ابی سرح کا سر کاٹ کر لائے گا، مقررہ انعام و اکرام کے علاوہ وہ اپنی بیٹی فلپانا بھی اس کے نکاح میں دے گا۔

دوسری طرف ابن ابی سرح نے دربار خلافت سے امداد طلب کی اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ایک فوج دے کر مسلمانوں

کی امداد کے لیے روانہ کیا۔ فلپانا جیسی حسین، خوبصورت اور بہادر لڑکی کو حاصل کرنے کو کون خواہش مند نہ تھا!۔ عیسائی جوانوں میں اس خوش خبری سے ایک نیا ولولہ اور جوش پیدا ہو گیا اور ان کی ہر ممکن کوشش تھی کہ جس طرح بھی بن پڑے ابن ابی سرح تک پہنچ جائیں۔ اس کوشش میں کتنے ہی عیسائی نوجوان خاک وخون میں تڑپ کر رہ گئے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی کوشش میں کمی نہ آئی۔ یہ حالت دیکھ کر مسلمانوں میں قدرے گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ آخر فوج کے چیدہ چیدہ افسروں نے بیٹھ کر یہی فیصلہ کیا کہ ابن ابی سرح میدان جنگ میں نہ جائیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کو کوئی تکلیف پہنچے۔ ابن ابی سرح اگرچہ اسے پسند نہ کرتے تھے مگر سب کے مشورے کو قبول کرنا پڑا۔ اب میدان جنگ میں جانے کے بجائے اپنے خیمے میں ہی رہنے لگے۔ اسی دوران عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بھی کمک لے کر پہنچ گئے مگر انہیں یہ دیکھ کر بہت تعجب ہوا کہ مسلمان تو لڑ رہے ہیں مگر سردار خیمے میں آرام کر رہا ہے۔ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سیدھے ابن ابی سرح کے خیمے میں گئے اور کہا کہ ایک بہادر سپہ سالار کے شایان شان نہیں کہ وہ خود تو آرام سے بیٹھا رہے اور دوسرے مسلمان میدان جنگ میں لڑیں۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو شہادت کی موت پسند نہیں؟ ابن ابی سرح نے جواب میں تمام واقعہ سنایا اور کہا کہ سب دوستوں کے مشورے سے مجبوراً

میں نے ایسا کیا ہے۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر کہا کہ آپ بھی اعلان کر دیتے کہ جو گریگوری کا سر کاٹ کر لائے گا گریگوری کی بیٹی اس کے ساتھ بیاہ دی جائے گی' چنانچہ یہ اعلان کر دیا گیا۔

کمک آ جانے سے جنگ نے شدت اختیار کر لی تھی۔ نصف دن تک تمام میدان لاشوں سے اٹ گیا تھا۔ مسلمانوں میں عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے حملے بہت ہی خوف ناک تھے۔ وہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ دشمن کے قلب میں گھس جاتے اور منٹوں میں صفوں کی صفیں صاف کر آتے۔ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے جرأت مندانہ حملوں کو دیکھ کر فلپانا کئی مرتبہ ان کے مقابلے پر آئی مگر انہوں نے ہر مرتبہ اس کا وار بچا کر اس پر حملہ کرنے سے گریز کیا وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک بہادر مسلمان کا ہاتھ ایک عورت پر اٹھے۔ آخر انہوں نے اپنے دستے کے ساتھ زور دار حملہ کیا کہ گریگوری کے محافظ دستہ تک پہنچ گئے۔ لوہے سے لوہا بج رہا تھا آخر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کئی نوجوانوں کو موت کی نیند سلا کر گریگوری تک پہنچ گئے۔ انہوں نے گریگوری کو للکارا کہ اب جنگ کا فیصلہ میرے اور تیرے درمیان ہو گا۔ گریگوری نے بڑی پھرتی سے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ پر وار کیا مگر انہوں نے وار بچا کر اس زور سے حملہ کیا کہ گریگوری زمین پر خون میں لت پت پڑا تھا۔ انہوں نے فوراً اس کا سر کاٹ کر نیزے پر آویزاں کر دیا۔

اپنے بادشاہ کے سر کو نیزے پر لٹکتا دیکھ کر عیسائیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے دور تک ان کا تعاقب کیا اور بہت سے عیسائیوں کو پکڑ لیا۔ ان گرفتار شدگان میں گریگوری کی بیٹی فلپانا بھی تھی۔ اسلامی فوج میں اس کامیابی پر خوشیاں منائی جا رہی تھیں اور شکرانے کے طور پر ان کے سر اللہ کے حضور جھکے جا رہے تھے' جب مال غنیمت کی تقسیم ہونے لگی تو عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے۔ ابن ابی سرح نے انہیں بلایا اور فرمایا کہ اعلان کے مطابق فلپانا تمہاری ہے۔ لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا میں نے جس پاکیزہ جذبے کے تحت جہاد کیا میں اسے کوئی انعام لے کر آلودہ نہیں کرنا چاہتا۔ امیر کو حق ہے فلپانا جس کو چاہے دے دے، میں اس حق سے دستبردار ہوں۔ میدان جنگ میں فلپانا بھی عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی جرأت و بہادری کو دیکھ چکی تھی اور یہ بھی دیکھ چکی تھی کہ وہ خود کئی بار ان کی تلوار کی زد میں آئی مگر انہوں نے اس پر حملہ کرنے سے گریز کیا تھا اور جب اس نے حملہ کیا تو اس کے وار کو بچا کر کبھی جوابی حملہ نہ کیا وہ سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور شرافت سے اس قدر متاثر ہو چکی تھی' اس نے کہہ دیا کہ عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے سوا کسی کو حق نہیں کہ میری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھے' میں خوشی سے اسلام اور اس کی غلامی قبول کرتی ہوں۔

شہزادیوں کی عید

خلیفۃ المسلمین بننے سے پہلے وہ بڑے ٹھاٹ باٹ سے رہتے تھے۔ ان کے خاندان میں دولت کی کثرت تھی' وہ شہزادے تھے اور اموی شہزادوں کی خوش لباسی بہت مشہور تھی۔وہ ایک ہزار دینار کا ایک سوٹ خریدتے اورنرم وملائم ہونے کے باوجود بھی کہتے :''بہت موٹا اور کھردرا ہے۔''

زندگی کی یہ امیرانہ بہاریں تھیں۔ ایسے مہنگے کپڑے دن میں کئی بار تبدیل کرتے تھے اوریہی حال خوشبو کا تھا' مہنگی سے مہنگی اورعمدہ سے عمدہ خوشبو استعمال کرتے تھے۔

ان کی روزمرہ کے استعمال کرنے والی اشیا کا یہ حال تھا کہ جب انہیں مدینہ کا گورنر بنایا گیا تو مدینے جانے کے لیے ان کا ذاتی سامان 30 اونٹوں پر لادا گیا۔سلیمان بن عبدالملک کی وفات کے بعد خلیفہ بنے تو سر جھکائے آنسو بہانے لگے اتنا روئے کہ ہچکی بندھ گئی ، خلافت کا بوجھ اٹھانے سے بار بار انکار کیا لیکن لوگوں کا اصرار بڑھتا ہی گیا، وہ سلیمان بن عبدالملک

کے ولی عہد مقرر تھے' لہٰذا لوگ انہیں اپنا خلیفہ بنا رہے تھے اور وہ مسلسل انکار کر رہے تھے' روتے ہوئے بولے: ''میں خلافت کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔'' ان کے مسلسل انکار کے باوجود بھی خلافت کا بار ان کے کندھوں پر لاد دیا گیا۔ خلیفہ بنے تو ان کے لیے شاہی سواری لائی گئی' سواری دیکھ کر ٹھٹک گئے اور پریشان کن لہجے میں بولے یہ کیا......؟ غلام نے جواب دیا: ''شاہی سواری۔'' کہنے لگے: اسے بیت المال میں جمع کروا دو۔ ساتھ ہی وہ اپنے خچر پر بیٹھے اور دفتر چلے آئے۔ خلافت کے امور نمٹانے کے لیے دفتر پہنچے تو وہاں شاہی خیمہ نصب تھا۔ شاہانہ ٹھاٹ باٹ، قیمتی پردے، اور عمدہ تکیے' پر تکلف قالین اور صاف ستھرے غالیچے۔

غلام نے انہیں حیران و پریشان دیکھا تو کہنے لگا: ''خلیفہ یہاں مملکت کے کام نمٹاتے ہیں۔'' جواب دیا: ''ان سب کو بھی بیت المال میں جمع کروا دو۔'' ایک دفعہ بیت المال کو وسیع کرنے کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے انتہائی ضروری چیزیں اپنے پاس رکھیں اور باقی ذاتی سامان بیت المال میں جمع کروا دیا۔ وہ خلیفہ کیا بنے......سب کچھ بدل گیا' شاہانہ زندگی ترک کر کے انتہائی سادہ زندگی گزارنے لگے۔ طرزِ زندگی ایسا کہ صرف ایک سوٹ ہی پاس رکھتے اور اسی کو دھو کر پہنتے رہتے۔ کہاں وہ ہزار درہم کے قیمتی نرم و ملائم سوٹ جو دن میں کئی بدلتے اور کہاں موٹے کھدر کا ایک سوٹ جو کئی کئی

دن پہنے رکھتے۔

ایک دفعہ عجیب واقعہ پیش آیا "خلیفہ کا ایک سوٹ اتنا پھٹ گیا کہ پہننے کے لائق نہ رہا' جب کپڑے پر پیوند لگانے کی کوئی جگہ نہ باقی رہی تو انہوں نے آٹھ درہم کا نیا کپڑا منگوایا، کپڑا سامنے آیا تو ہاتھ میں پکڑتے ہی بولے: "یہ بہت ملائم ہے۔" پاس ہی کھڑے آدمی کی ہنسی نکل گئی' خلیفہ نے دیکھا تو بولے: بلا وجہ ہنسنے کا مقصد؟ آدمی نے جواب دیا: جب آپ شہزادے تھے تو میں آٹھ سو درہم کا ایک ریشمی کپڑا آپ کے لیے لایا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ بہت موٹا ہے اور آج صرف آٹھ درہم والے کپڑے کو بہت ملائم کہتے ہو۔

اپنی زندگی کی آخری بیماری میں جب مبتلا تھے تو مسلمہ بن عبدالملک نے اپنی بہن اور خلیفہ کی بیوی سے کہا: خلیفہ کی قمیض میلی ہوگئی ہے، لوگ عیادت کے لیے آتے ہیں' لہٰذا کوئی صاف قمیض پہنا دو...... بھائی کے کہنے پر بہن خاموش رہی لیکن اصرار پر بولیں: اللہ کی قسم! اس کے علاوہ ان کے پاس دوسری کوئی قمیض نہیں۔ خلیفۃ المسلمین کا یہ حال دیکھ کر مسلمہ بن عبدالملک کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تھے' جس طرح امیر المسلمین اور ان کی بیوی کے تقویٰ اور سادگی کا یہ عالم تھا' اسی طرح یہی حال ان کی بیٹیوں اور وقت کی شہزادیوں

کا تھا۔ ان کے کپڑے پیوند لگے ہوتے تھے' ایک دن تو یوں ہوا کہ کسی کام کے لیے اپنی صاحبزادی کو آواز دی ، کافی دیر گزر گئی لیکن وہ نہ پہنچی تو بڑے پریشان ہوئے دوبارہ آواز دی مگر وہ نہ آئی ، بالآخر انہوں نے کام نمٹایا تو کچھ دیر بعد وہ صاحبزادی حاضر ہوئیں' پوچھا: میرے آواز دینے پر آپ کیوں نہیں آئیں......؟ صاحبزادی نے کہا : میرے پاس مکمل کپڑے نہ تھے۔ خلیفہ نے سنا تو خود ہی خاموش ہو گئے۔ خلیفہ کی زندگی میں عید آئی تو چند دن قبل ان کی بچیاں باپ کے پاس آئیں اور بولیں: "ابا حضور عید کی آمد ہے...... ہماری سہیلیاں کپڑے بنوا رہی ہیں اور ہمارے تو پرانے کپڑے بھی پیوند زدہ ہیں کیا عید پر ہم نئے کپڑے نہیں پہنیں گے......؟

شہزادیاں وقت کے خلیفہ سے سوال کر رہی تھیں اور خلیفہ سر جھکائے خاموش بیٹھے تھے' دیر تک سوچنے کے بعد جواب دیا:

"جو کپڑے تم نے پہن رکھے ہیں انہیں دھو کر صاف کر لو اور عید کے روز پہن لینا۔"

نہیں بابا جان! آپ ہمیں نئے کپڑے بنوا دیں بچیوں نے ضد کرتے ہوئے کہا: خلیفہؒ نے فرمایا: میری بچیو! عید کا دن اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے اور اس کا شکر بجا لانے کا دن ہے' نئے کپڑے پہننا کوئی ضروری تو نہیں ۔بابا جان آپ کا فرمانا بالکل سچ ہے اور درست ہے لیکن ہماری سہیلیاں اور

دوسری لڑکیاں ہمیں طعنے دیں گی کہ تم امیر المومنین کی بیٹیاں ہو اور وقت کی شہزادیاں تم نے وہی پرانے کپڑے پہن رکھے ہیں۔

یہ کہتے ہوئے بچیوں کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔بچیوں کی باتیں سن کر امیر المومنین کا دل بھر آیا دیر تک سوچنے کے بعد بولے: میں کچھ کرتا ہوں' پھر انہوں نے بیت المال کے خازن کو بلا کر فرمایا: مجھے میری ایک ماہ کی تنخواہ پیشگی لا دو۔ خازن نے عرض کیا کہ حضور کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ ایک ماہ تک زندہ رہیں گے۔خلیفہ خاموش ہو گئے ، خازن کی بات بجا تھی' موت کی کسے خبر ہے کہ کب اور کہاں آ جائے' بولے: جزاک اللہ تو نے بے شک عمدہ اور صحیح بات کی۔ خازن چلا گیا خلیفہ نے بچیوں سے فرمایا: پیاری بیٹیو! اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کی رضا پر اپنی خواہشات قربان کر دو کوئی شخص اِس وقت تک جنت کا مستحق نہیں بن سکتا جب تک وہ کچھ قربانی نہ دے۔ یوں خلیفۃ المسلمین عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی بیٹیوں اور وقت کی شہزادیوں نے پرانے کپڑوں میں عید ادا کی۔

لاشیں چوراہوں میں لٹکادی گئیں

یہ 658ء کی ایک گرم صبح تھی۔ مصر کے بازاروں میں کاروبارِ زندگی شروع ہو چکا تھا' چند سوار جو اپنے لباسوں سے سفار کار نظر آتے تھے، اپنی گردنیں اکڑائے ، بے فکری سے گھوڑے دوڑاتے ہوئے قاہرہ کی طرف رواں دواں تھے۔ان کے چہرے تاتاریوں کی درندگی کے مظہر تھے، راستے میں ان کا واسطہ پناہ گزینوں کے ان تباہ حال قافلوں سے پڑ رہا تھا جو بغداد کی تباہی کے بعد مصر کے گلی کوچوں میں امن کی کوئی جگہ تلاش کر رہے تھے جونہی ان کی نظر پناہ گزینوں کے کسی قافلے پر پڑتی ان کے چہرے خوشی سے یوں چمک اٹھتے جیسے درندے اپنے شکار کو زندگی اور موت کی کشمکش میں دیکھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان پناہ گزینوں نے تاتاریوں کی درندگی کے مظاہرے اپنی آنکھوں سے دیکھے تھے' اس لیے وہ تاتاریوں سے خوفزدہ تھے۔ان کی آمد کی خبر سن کر ان کی زبان سے یہی الفاظ نکلے تھے:

''تاتاری آ گئے۔'' تاتاری سفیروں کی آمد کا مطلب تباہی و بربادی

حالانکہ یہ وہی مصر تھا جس نے صلاح الدین ایوبی کی قیادت میں یورپ کی عیسائی افواج کو ذلت سے دوچار کیا تھا۔ اسی مصر نے چند سال قبل ساتویں صلیبی جنگ میں شاہِ فرانس کو عبرتناک شکست دی تھی لیکن آج مصری مسلمان بھی اس فتنے کی قوت سے لرز رہے تھے جس نے دریائے جیحوں سے فرات تک عالم اسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ یہ فتنہ تاتار تھا' جو چنگیز خان کی صورت میں نمودار ہوا اور اب ہلاکو کی صورت میں مسلمانوں کے لیے مستقل خطرہ بن چکا تھا، تاتاری سفارت بھی ہلاکو کی بھیجی ہوئی تھی، تاتاری سفیر اس وقت مصر کے بادشاہ ملک مظفر الدین کے دربار میں کھڑے تھے' ان کا انداز ایسے تھا جیسے مصر ان کی جاگیر اور ملک المظفر ان کا غلام ہے انہوں نے گستاخانہ انداز میں اپنے آقا ہلاکو خان کا خط ملک المظفر کے سامنے پھینک دیا، خط میں لکھا تھا:

"یہ اس کا فرمان ہے جو ساری دنیا کا آقا ہے، ہماری اطاعت قبول کر لو تو تمہیں امن سے زندہ رہنے دیا جائے گا، اگر تم نے ہماری بات نہ مانی تو جو تم کو پیش آئے گا وہ بلند و بالا آسمان والے کے سوا کوئی نہیں جانتا"۔ چند لمحے بعد سلطان نہایت نرم لہجے میں ایلچیوں سے مخاطب ہوا: ہلاکو کا ہم نے کچھ نہیں بگاڑا اسے ہم پر حملہ کرنے سے باز رہنا چاہیے"۔

سلطان کے جواب سے تاتاریوں کے بگڑے ہوئے چہرے مزید بگڑ گئے اور وہ نہایت بدتہذیبی سے بولے: "تم نہایت خودسر اور ضدی حکمران ہو تم ہم سے واقف نہیں ورنہ انکار نہ کرتے"۔

"ایلچیوں کا لہجہ سلطان کی برداشت سے باہر تھا: تم ایلچی ہو اور ایلچی ہی رہو، اپنا لہجہ درست رکھو اور ہمیں سبق نہ پڑھاؤ"۔ سلطان کی آواز میں غصہ تھا۔ سلطان کی بات سن کر تاتاری ایلچی غصے میں چلانے لگے: "تم ہماری بات نہیں مانو گے ہماری طاقت اور شجاعت کے افسانے شاید تم نے نہیں سنے"۔ ایلچیوں کے گستاخانہ جواب سن کر مصر کے کئی امراء کا پیمانہ صبر سے لبریز ہو چکا تھا۔ "خاموش" پہلی صف میں بیٹھے ایک نوجوان امیر کی آواز سے دربار لرز اٹھا' اس کی تلوار میان سے باہر آ چکی تھی "اگر مجھے سلطان کا لحاظ نہ ہوتا تو اللہ کی قسم! میں تمہاری گردنیں تمہارے دھڑ سے الگ کر دیتا" نوجوان کی آواز جوش وغضب سے لرز رہی تھی۔

"سلطان معظم! ان کا رویہ سفارتی آداب کے منافی ہے۔ شاید ہوکو نے اپنے سپاہیوں کو نہتے انسانوں کے قتل کے سوا کچھ نہیں سکھایا ورنہ یہ اس طرح یہاں چلا نہ رہے ہوتے مجھے اجازت دیں کہ ان کے سر کاٹ کر لاشیں قاہرہ کے چوراہوں میں لٹکا دوں تاکہ آئندہ ہلاکو اپنے سفیروں کو مصر بھیجتے وقت سفارتی آداب ضرور سکھائے"۔ یہ امیر جس کی تلوار بھرے دربار

میں میان سے باہر آ گئی تھی اور جس نے تاتاریوں کی لاشوں کو عبرت کا نشان بنا کر مصر کے چوراہوں پر لٹکا دیتا تھا' مصری عوام کے لیے ناواقف نہیں تھا ابھی چند سال قبل منصورہ کے درمیان میں لڑی جانے والی ساتویں صلیبی جنگ میں اس نوجوان کی حیرت انگیز حربی چالوں سے عیسائی لشکر کو عبرت ناک شکست ہوئی تھی ،منصورہ کا یہ مردِ میداں جس کا بچپن غلاموں کی منڈیوں میں بکتے ہوئے گزرا اہلِ مصر کی دھڑکنوں میں بستا تھا، لوگ اسے ''امیر رکن الدین بیبرس'' کے نام سے جانتے تھے۔

ذہانت ہو تو ایسی

دو آدمی قاضی کی عدالت میں کھڑے تھے، ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنے ساتھی کو مال بطور امانت دیا تھا، جب میں نے مطالبہ کیا تو اس نے دینے سے انکار کر دیا۔ قاضی نے مدعی علیہ سے امانت کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا: میں نے مال لیا ہی نہیں' یہ جھوٹ بول کر مجھے بدنام کر رہا ہے، اس کے پاس کوئی دلیل ہے تو پیش کرے ورنہ میں قسم دینے کے لیے تیار ہوں۔ قاضی نے مدعی سے پوچھا:

"یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک درخت ہے ہم نے پہلے اس کے سائے میں بیٹھ کر کھانا کھایا اور پھر میں نے اپنا مال اس کے سپرد کیا"۔

قاضی نے کہا: "تم ابھی وہاں جاؤ، شاید تمھارا مال وہیں کہیں پڑا ہوا ہوگا، اس جگہ کا جائزہ لے کر سیدھا میرے پاس آنا"۔

وہ شخص چلا گیا، قاضی نے مدعا علیہ سے کہا: اپنے ساتھی کی واپسی تک میرے پاس بیٹھے رہو، وہ چپ سادھ کر وہاں بیٹھا رہا۔ قاضی دیگر مقدمات نمٹانے میں مصروف ہو گیا، مقدمات کی سماعت کے دوران چھٹی ہوئی

نگاہوں سے کبھی کبھی مدعیٰ علیہ کی طرف بھی دیکھ لیتا، تاکہ اس کے چہرے کے تاثرات جانچ سکے۔ وہ شخص بالکل آرام و سکون سے بیٹھا تھا۔ قاضی سماعت کے دوران یکدم اس شخص کی طرف متوجہ ہوا اور پوچھا:

''آپ کا کیا خیال ہے وہ اس جگہ پہنچ چکا ہوگا جہاں اس کا دعویٰ ہے 'جہاں اس نے مال تیرے سپرد کیا تھا؟''

اس نے بے خیالی میں جواب دیا: ''نہیں' وہ جگہ یہاں سے کافی دور ہے ابھی وہ رستے میں جا رہا ہوگا''۔

قاضی نے غضب ناک ہو کر کہا: کم بخت' کمینے تو مال لینے کا انکار کرتا ہے اور اس جگہ کا اعتراف کرتا ہے جہاں تو نے مال لیا تھا' تو خائن' جھوٹا اور بددیانت ہے''۔ وہ اچانک یہ حملہ دیکھ کر خوف سے کانپنے لگا اور اس نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا اور امانت واپس کر دی۔

''ننھے بچو!...... کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ ذہانتوں کے پیکر قاضی کون تھے؟'' یہ خدا ترس امیر المؤمنین عمر بن عبدالعزیز کے انتخاب کردہ قاضی ایاس بن معاویہ تھے۔ ایاس بن معاویہؒ کی ذہانت، فطانت اور زود فہمی ضرب المثل تھی۔ آپ کی ذہانت کی خبر سن کر ہی امیر المؤمنین نے آپ کو بصرہ کا قاضی کا مقرر کیا۔

لوگ علمی اور دینی امور میں پیش آمدہ مشکلات کے حل کے لیے ان

کے پاس آنے لگے۔ بعض معلومات کے لیے اور بعض مباحثے میں مد مقابل پر غالب آنے کے لیے آپ سے علمی نکتے معلوم کرتے۔ ایک کسان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے پوچھا:

''اے ایاس! کیا شراب حرام ہے؟''

فرمایا: ''ہاں۔''

اس نے کہا: ''پھل اور پانی کو آگ پر پکایا گیا ہے اصل میں یہ دونوں حلال ہیں، پھر آگ پر پکانے سے حرام کیسے ہو گئے؟ حالانکہ ان میں کسی حرام شے کی آمیزش نہیں۔''

ایاس بن معاویہؒ نے اس سے کہا:

''اگر مٹی کی ایک مٹھی تجھے دے ماروں کیا اس سے تجھے تکلیف ہو گی؟'' کہا: ''نہیں''! فرمایا: اگر توڑی کی ایک مٹھی تجھے ماروں کیا اس سے تجھے تکلیف ہو گی؟'' کہا: ''نہیں!'' فرمایا: ''اگر میں توڑی، مٹی اور پانی ملا کر ایک ڈھیلا بناؤں اور پھر دھوپ میں اسے خشک کر کے تجھے دے ماروں کیا تجھے تکلیف ہو گی۔؟'' اس نے کہا: ضرور ہو سکتا ہے' اس کے ذریعے تم مجھے قتل بھی کر دو۔ فرمایا: بس یہی مثال شراب کی ہے' جب اجزاء کو ملا کر اسے آگ کی آنچ دی جاتی ہے تو اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اسے حرام قرار دیا گیا ہے''۔ (حیات تابعین کے درخشاں پہلو از محمد احمد غضنفر)

بادشاہ کا ہاتھ کاٹ دو

سلطان مراد ترکستان کا بادشاہ اور اسلامی دنیا کا حکمران تھا۔ عیسائیوں کی بڑی حکومتیں بھی اس کے نام سے کانپتی تھیں۔ یوں تو ہر مسلمان حکمران کو عمارتیں بنوانے کا شوق رہا ہے لیکن سلطان مراد مسجدوں کی تعمیر میں بہت دلچسپی رکھتا تھا۔ ایک دفعہ اس نے اپنے دل میں ایک مسجد کا نقشہ بنایا' یہ مسجد اس کے خیال کا حسین مرقع تھی' اس دور میں ایک انجینئر کو بلا کر نقشہ دکھایا اور مسجد کی تعمیر پر لگا دیا۔

وقت گزرتا گیا مسجد آہستہ آہستہ بنتی رہی اور لاکھوں اشرفیاں خرچ ہو گئیں' آخر مسجد مکمل ہوگئی جو فی الواقع ایک اچھی عبادت گاہ تھی۔ انجینئر بڑے دعوے کے ساتھ بادشاہ کے حضور حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضور مسجد تیار ہے' ملاحظہ فرمایئے! بادشاہ نئی مسجد دیکھنے کے لیے گیا' مسجد کو ہر طرف سے دیکھا اوپر سے نیچے سے شمال و جنوب سے مگر اتفاق دیکھیے کہ اچھی عمارت اپنے تقاضے کے لیے بادشاہ کی پسند کی منتظر ہے۔ مگر بادشاہ ہے کہ

اسے یہ عمارت قطعاً پسند نہیں آئی' وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگا' آخر جب نہ سنبھل سکا تو حکم دیا کہ انجینئر کا ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے' یہ حکم ملنا تھا کہ جلاد نے فوراً ہاتھ کاٹ دیا۔ انجینئر کو یہ سزا بلا وجہ ملی تھی' اسے اور تو کچھ نہ سوجھا وہ سیدھا قاضی کی عدالت میں جا پہنچا اور دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے بادشاہ کو حاضر کرنے کا حکم دیا' جب بادشاہ حاضر ہوا تو عدالت میں انجینئر بھی کھڑا تھا' بادشاہ یہ دیکھ کر گھبرا گیا۔ قاضی نے بادشاہ کے بیانات لیے اور حکم دیا:

''بادشاہ کا بھی ایک ہاتھ کاٹ دیا جائے' اس ہاتھ سے بھی خون گرنا چاہئے تاکہ وہ آئندہ غلط فیصلے سے پرہیز کرے۔''

بادشاہ نے قاضی کا فیصلہ سنا تو اپنا ہاتھ آگے بڑھایا' انجینئر نے دیکھا تو اس کی چیخیں نکل گئیں اور بولا: ''میں نے انصاف پا لیا'' میں بادشاہ کو اپنا خون معاف کرتا ہوں اور کسی دباؤ کے بغیر بخشتا ہوں۔''

اتنا سننا تھا کہ بادشاہ کی جان میں جان آئی اور اس نے انجینئر کو بہت سا ساز و سامان دے کر رخصت کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ قاضی اسلامی احکام کے اعلان میں اس قدر دلیر ہیں کہ بادشاہ کو بھی مجرم قرار دے دیتے ہیں۔

اور پھر بت کرچی کرچی کر ڈالے

رقبے کے اعتبار سے ہندوستان ایک بہت بڑا ملک تھا۔ اور یہاں کے ہندو حکمرانوں نے صدیوں سے ایسے قلعے تعمیر کر رکھے تھے جو ناقابلِ تسخیر تھے۔ سلطان محمود غزنوی نے شمالی اور وسطی ہندوستان کے تقریباً تمام قلعوں کو فتح کر لیا تھا۔ آخری بڑا حملہ سلطان محمود غزنوی نے 1024ء کو سومنات پر کیا۔ سومنات کا قلعہ نہایت مضبوط اور مستحکم تھا۔

اس کے تین طرف دریا اور ایک جانب گہری خندق تھی۔ اس قلعے کو فتح کرنا انتہائی دشوار تھا۔ اس کے اطراف میں راجپوتوں کی ستائیس ریاستیں تھیں جو سب کی سب سومنات کی محافظ تھیں۔ سلطان محمود غزنوی کی فوجیں ملتان کے راستے سومنات پر حملہ آور ہوئیں۔ وہ اپنے لشکر میں تین ہزار مجاہدین اور بیس ہزار بارہ دری اونٹوں کا اضافہ کر کے غزنی سے نکلا اور پندرہ رمضان کو ملتان پہنچ گیا۔ وہ گرم و خشک صحراؤں کو روندتا ہوا اجمیر پہنچا اور وہاں چند دن قیام کرنے کے بعد آگے روانہ ہو گیا۔ راستے میں اس نے کئی قلعے فتح کیے اور گھومتا ہوا سومنات جا پہنچا۔ یہ ساحل کاٹھیاواڑ پر ایک بارونق مقام تھا۔ شہر کے وسط میں ایک عظیم الشان مندر تھا' جس کی چوٹیاں

آسمان سے باتیں کر رہی تھیں اور دریا کا پانی اس کی دیواروں سے ٹکرا رہا تھا۔ اسلامی لشکر کے قریب پہنچتے ہی ہزاروں پجاری فصیل (قلعے کی بلند و بالا دیوار) پر آ کر کھڑے ہو گئے اور پکار پکار کر کہنے لگے:

"ہمارا معبود اس لیے تمھیں یہاں لایا ہے کہ سب کو ایک دم ہلاک کر دے، تم نے جس طرح ہندوستان کے بتوں کے سر اور پاؤں توڑے ہیں اسی طرح تمہارے سر اور پاؤں توڑے جائیں گے۔"

سلطان نے ان کی طعن و تشنیع کا کوئی خیال نہ کیا اور فوجوں کو پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ دوسرے روز صبح ہوتے ہی لشکر اسلام نے فصیل کے محافظوں پر تیروں کی بارش برسا دی۔ ہندو سپاہیوں کی ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی تو انھوں نے فصیل خالی کر دی اور سومنات کے بت کے سامنے جا کر گرے، گڑ گڑا کر رونے لگے اور اپنے معبود سے مدد مانگنے لگے۔ ادھر مسلمانوں نے فصیل خالی دیکھی تو سیڑھیاں لگا کر فصیل پر چڑھ گئے اور مندر کے در و دیوار "اللہ اکبر" کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھے۔ یہ منظر دیکھ کر ہندو سپاہیوں کو غیرت آئی اور تلواریں سونت کر مقابلے پر آ گئے۔ شام تک دست بدست لڑائی ہوتی رہی اور اندھیرا چھانے پر دونوں فوجیں اپنے اپنے مقام پر واپس آ گئیں۔

تیسرے روز مسلمانوں نے پوری قوت سے حملہ کیا مگر اطراف کے

راجاؤں کی فوجوں نے ان کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ بڑا سخت معرکہ ہوا مگر جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا اور شام ہو گئی۔ اب ہندوؤں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی۔ چوتھے روز انھوں نے قلعے سے نکل کر اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا اور مسلمانوں کو گھیرے میں لینے کی کوشش کی لیکن سلطان محمود غزنوی کی جنگی تدبیروں سے وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ جنگ اپنے عروج پر تھی، ہندو سر دھڑ کی بازی لگا رہے تھے۔ پجاری اشلوک اور منتر پڑھ پڑھ کر مسلمانوں کو للکار رہے تھے۔ ایک دم انھوں نے متحد ہو کر مسلمانوں پر اتنا شدید حملہ کیا کہ مسلمانوں کے قدم ڈگمگا گئے۔ سلطان نے اس کے جواب میں فوج کے ایک حصے کو علیحدہ کر کے ان کے مقابل کر دیا' دو اطراف جنگ شروع ہو گئی۔ اسی اثنا میں بھیم دیو راجہ اپنی تازہ دم فوج کے ساتھ آن پہنچا اور ہندوؤں کا غلبہ بڑھ گیا۔ سلطان نے دیکھا کہ ہندوؤں کی فوج میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے' جب کہ سلطان کا اللہ کے سوا کوئی مدد گار نہیں تھا' چنانچہ اس نے ایک دھواں دار تقریر کی، اس تقریر نے لشکر کی رگوں میں جذبہ جہاد دوڑا دیا اور چند ہی لمحات میں اسلامی لشکر کے مجاہدین شیروں کی طرح بپھر کر جھپٹے اور پلک جھپکتے ہی انھوں نے ہندوؤں کی لاشوں کے انبار لگا دیے۔

بھیم دیو راجہ کے لشکر کے پانچ چھ ہزار سپاہی ایک ہی حملے میں زمین

پر گر کر تڑپنے لگے اور اسلام کے شیروں نے دوسری مرتبہ پھر حملہ کیا تو دشمن کو ٹھہرنا دشوار ہو گیا۔ بھیم دیو راجہ سپاہیوں کو بھاگتے دیکھ کر خود بھی بھاگ گیا۔ ہندو لشکر جو قلعے کو بچانے کے لیے لڑ رہا تھا' راجاؤں کا یہ حال دیکھ کر گھبرا گیا اور دریا کی طرف دروازوں سے نکل کر بھاگنے لگا۔ مسلمانوں نے بھاگتے ہوئے ہندوؤں کا تعاقب کیا اور اس کی کثیر تعداد کو دریا میں ڈبو ڈبو کر جہنم واصل کیا۔

مکمل فتح کے بعد سلطان محمود غزنوی مجاہدین کی ایک جماعت کو لے کر قلعہ میں داخل ہوا، عمارت کو دیکھتا بھالتا وہ اس حصے میں جا پہنچا جس کی چھت 56 ستونوں پر کھڑی تھی اور اس کے اندر سومنات کا بت نصب تھا۔ سلطان نے پتھر کے پانچ گز لمبے ہندوؤں کے اس جھوٹے خدا کو توڑنا چاہا تو پجاریوں نے ہاتھ باندھ کر التجا کی کہ وہ اس کو نہ توڑے اور اس کے بدلے میں ہم سے جتنی چاہے دولت اور ہیرے جواہرات لے لے لیکن سلطان کی غیرت ایمانی نے یہ گوارا نہ کیا۔ یہ پیش کش قبول نہ کی اور یہ کہہ کر کہ ''میں محمود بت فروش نہیں بت شکن کہلانا پسند کرتا ہوں'' زور کی ضرب لگائی اور پتھر سے بنے سومنات کے بت اور ہندوؤں کے جھوٹے خدا کو پاش پاش کر دیا۔

حسین چہرہ

وہ بکریوں کا چرواہا حبشی نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ رنگت بالکل سیاہ اور چہرہ بد شکل۔ اس کے پاس سے بدبو کے بھبوکے اٹھتے تھے' سارا دن یہودیوں کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اپنی دنیا میں مگن' بکریاں چرانے کے علاوہ اسے دنیا کی کسی اور چیز سے غرض نہیں تھی۔

ایک دن بیٹھا ہوا تھا کہ یہودی جنگی تیاریوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے پاس سے گزرتے ہیں۔ آج اچانک اس کے دل میں احساس جاگتا ہے کہ یہ یہود کس سے لڑائی کی تیاری کر رہے ہیں؟ میں بھی معلوم کروں کہ وہ کون سی طاقت ہے جو یہودیوں کے مقابلے پر آ رہی ہے؟ وہ یہودیوں کے پاس گیا اور ان سے پوچھا: "یہ جنگ کس کے ساتھ کرنے والے ہو؟"

وہ بولے ہماری جنگ اس شخص کے ساتھ ہو گی جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کے دل نے خواہش کی کہ میں اس شخص کو دیکھوں۔ وہ اٹھا

اور لوگوں سے پوچھتا ہوا رحمت عالم ﷺ کے پاس آیا اور کہنے لگا: ''آپ مجھے بتائیں کہ آپ کس چیز کی دعوت دیتے ہیں؟'' اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے بتایا:

''میری دعوت توحید کی دعوت ہے۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہراؤ اور مجھے اللہ کا رسول مانو اور یہ کہ میں اللہ کی وحی سے اس کے احکام لوگوں کو پہنچاتا ہوں۔''

اس نے کہا کہ ''اگر میں ایک اللہ پر ایمان لے آؤں اور آپ کو اللہ کا سچا نبی مان لوں تو کیا ہوگا؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جنت ملے گی''۔

وہ بہت حیران ہوا اور کہنے لگا:

''اے اللہ کے پیارے نبی ﷺ!......میرا رنگ سیاہ ہے' چہرہ بدشکل ہے، میرے بدن سے بدبو آتی ہے اور میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ اگر میں اللہ کی راہ میں لڑتے ہوئے شہید ہو جاؤں تو کیا مجھے بھی جنت ملے گی؟''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''ہاں! اللہ تجھے ضرور جنت دے گا''۔

اس کے بعد وہ فوراً اٹھا اور یہودیوں کے خلاف جنگ میں شریک ہو گیا اور مردانہ وار لڑتے لڑتے اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا۔ جب سرور کائنات

کو اس کی شہادت کی خبر ملی تو آپ ﷺ نے اس کی لاش کو دیکھ کر فرمایا:

''اللہ نے اس کے چہرے کو حسین بنا دیا ہے، اس کے بدن کو خوشبوؤں سے معطر کر دیا ہے اور جنت کی دو حوریں اسے عطا کر دی ہیں۔''

یہ حسین چہرے والے ''اسود راعی رضی اللہ عنہ'' تھے۔ انھوں نے سوائے جہاد فی سبیل اللہ کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا' ایک نماز پڑھنے تک کہ مہلت نہیں ملی لیکن انھوں نے صدقِ دل سے نورِ ہدایت سے اپنے دل کو منور کیا اور اتنا بڑا مرتبہ حاصل کر لیا۔ (حوالہ: سید الکونین از محمد صادق سیالکوٹی)

کردار کی جیت

ابو عامر اور ان کے ساتھی ڈوڈہ میں اپنی ایک مہم پر تھے' وہ ایک گاؤں کے ہندو گھر میں ٹھہرے، جب وہ وہاں سے چلے گئے تو ماں باپ کی موجودگی میں ان کی جوان لڑکی کہنے لگی: "میں اب کسی ہندو سے شادی نہیں کروں گی' شادی کسی مسلمان سے کروں گی' وہ بھی ایسے مسلمان سے جو کہ مجاہد ہو۔ بعد میں بھی وہ لڑکی اپنی بات پر ڈٹی رہی۔ اس کے ماں باپ نے اسے دھمکایا مگر وہ باز نہ آئی، یہ بات عام پھیل گئی حتی کہ "شیو سینا" تک بھی یہ خبر جا پہنچی' انہوں نے لڑکی کو قتل کرنے کی دھمکی دی مگر لڑکی نے کہا: وہ قتل ہو جائے گی جس کی اسے کوئی پروانہیں' مگر وہ اپنا فیصلہ نہیں بدلے گی۔ اس کے بعد لڑکی نے دو پارے ناظرہ قرآن پاک بھی پڑھ لیے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اللہ کے شیروں کو دین کے مجاہدوں کو خشک راشن پہنچاتی رہی۔

ننھے مجاہدو! یہ واقعہ عمل اور دعوت دین اور اس کے مرتب ہونے والے اثرات کا آئینہ دار ہے۔ (بحوالہ غازیان صف شکن)

دین سے محبت

جنگ زور و شور سے جاری تھی۔ تلواروں کی جھنکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ چیخ و پکار ایسی کہ رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے، دونوں طرف سے زوردار مقابلہ تھا۔ ایسے میں اسلامی لشکر کی طرف سے ایک شہ سوار ہر طرف تہلکہ مچائے آگے بڑھتا جا رہا تھا' دشمن اس کی وجہ سے بہت گھبرائے ہوئے تھا' یہ نوجوان دشمن کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھتے جا رہے ہیں اور میدانِ جنگ میں اس طرح چکر لگا رہے ہیں کہ انھیں موت کا کوئی خوف نہیں، اس کا یہ انداز دیکھ کر قریش کے شہ سوار گھبرا گئے۔ آپ جب کسی کے پاس جاتے تو وہ گھبرا کر دوسری طرف ہو جاتا' لیکن ان میں سے ایک ایسا شخص آپ کے سامنے کھڑا تھا جس سے ان کا گہرا رشتہ تھا۔ وہ آپ پر تلوار کا وار کرنے کی کوشش کرتا لیکن آپ پہلو تہی اختیار کر جاتے' وہ شخص مقابلے کے لیے بار بار آپ کے قریب آتا' لیکن یہ اللہ کا شیر اسے دھوکا دے جاتا۔ دوران مقابلہ ایسا وقت بھی آیا کہ اس شخص کو چاروں طرف

سے گھیر لیا گیا اور وہ شخص آپ کے سامنے اکڑ کر کھڑا تھا۔ اب اس شہسوار کے لیے تمام راستے بند تھے اور پہلو تہی کرنے کا بھی کوئی چارہ باقی نہ تھا۔ اللہ کے شیر نے اپنے سامنے کھڑے شخص کے سر پر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اس کی کھوپڑی دو حصوں میں تقسیم ہو گئی اور وہ چشم زدن میں آپ کے قدموں میں ڈھیر ہو گیا۔ کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا شیر اور یہ قتل ہونے والا شخص کون تھا؟

یہ اللہ کا شیر سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ تھے جبکہ انھوں نے جس شخص کو قتل کیا وہ ان کا باپ تھا۔

دراصل اس عظیم جرنیل سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے باپ کے ہیولے میں شرک کے علمبردار تہ تیغ کیے' آپ نے بے مثال کردار ادا کرتے ہوئے یہ واضح کر دیا کہ بڑے سے بڑا رشتہ اللہ کے دین کے مقابلے میں ہیچ ہے۔

رومی جرنیل پرچم اسلام کے سائے تلے

روم کے خلاف جنگ زوروں پر تھی، لشکر اسلام اور لشکر روم آمنے سامنے کھڑے تھے، اس وقت جنگ کا یہ دستور ہوتا تھا کہ ایک لشکر کا سپہ سالار اپنے لشکر سے نکلتا اور دوسرے لشکر کے سپہ سالار کو للکارتا کہ ہے جو میرے مقابلے میں آئے؟ اسی طرح روم کا ایک جرنیل جرجہ جو کہ آرمینیہ کا رہنے والا تھا' اپنے لشکر سے محافظ دستے کے ساتھ نکلا اور دونوں لشکروں کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔ اس نے بلند آواز میں اپنا تعارف کروایا اور لشکر اسلام کے سپہ سالار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اکیلے مقابلہ کرنے کا چیلنج کرنے لگا۔ لشکر اسلام کے سپہ سالار ایک گھڑسوار دستے کے ہمراہ نکلے اور جرجہ کے پاس پہنچے۔ اب دونوں جرنیل اس طرح کھڑے تھے کہ ان کی پشتیں اپنے اپنے لشکر کی طرف اور چہرے مدمقابل فوج کی طرف تھے۔ اس طرح فوج کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ ہمارا جرنیل کیا بات کر رہا ہے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جرجہ نے تلوار میان میں ڈالی ہوئی ہے۔ سیدنا

خالد رضی اللہ عنہ حیران ہوئے کہ دشمن اسلام نے تلوار میان میں ڈال ہوئی ہے اور للکار رہا ہے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کے نزدیک گئے تو جرجہ کہنے لگا: کچھ باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ جھوٹ نہ بولنا کیونکہ جنگجو جھوٹ نہیں بولا کرتے' دھوکہ بھی نہ دینا کیونکہ معزز لوگ دوسروں کو کبھی دھوکہ نہیں دیا کرتے۔ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا: پوچھ کیا پوچھتا ہے؟ نہ میں جھوٹ بولوں گا اور نہ ہی دھوکہ دوں گا۔ جرجہ نے کہا: کیا یہ سچ ہے کہ اللہ نے تمہارے نبی پر آسمان سے تلوار نازل کی تھی جو انہوں نے تمہارے ہاتھ میں تھما دی تھی تم اسے جس پر چلاتے ہو شکست اس کا مقدر بن جاتی ہے؟

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کہا یہ سچ نہیں ہے' ایسی کوئی بات نہیں۔

جرجہ: پھر تو سیف اللہ کیوں کہلاتا ہے؟

سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: اللہ نے ہماری راہنمائی کے لیے ایک رسول ہم میں بھیجا، اس نے ہمیں اللہ کی توحید اور دینِ اسلام کی طرف دعوت دی' مگر ہم نے اس کی دعوت قبول نہ کی۔ ان سے منہ موڑ لیا اور نفرت کرنے لگے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعوت پر استقامت پر ڈٹے رہے' تب ہم میں سے بعض نے اسے قبول کرنا شروع کر دیا۔ اکثر پھر بھی جھٹلاتے رہے اور میں ان لوگوں میں تھا بالآخر ایسا ہوا کہ اللہ ذوالجلال نے ہمارے دلوں کو اور ہمیں ان کی طرف ہدایت دی۔ ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''خالد تم

اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہو کہ جسے رب العالمین نے مشرکین پر لٹکا دیا ہے اور پھر میرے لیے آپ ﷺ نے نصرت کی دعا فرمائی۔

جرجہ: تمہاری دعوت کیا ہے؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ الرَّسُوْلُ اللّٰه۔ ''نہیں کوئی معبود برحق سوائے اللہ تعالیٰ کے اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔''

جرجہ: میں ایسا کہنے سے انکار کروں تو تُو کیا کرے گا؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: پھر تجھ سے جزیہ مانگوں گا اور تجھے اپنی حفاظت میں رکھوں گا۔

جرجہ: اگر میں جزیہ دینے سے انکار کردوں؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: پھر نکال اپنی تلوار اور پہلا وار کر، تاکہ تجھے افسوس نہ رہے کہ مجھے وار کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ جرجہ کچھ دیر خاموش رہا اور خالد رضی اللہ عنہ کے منہ کی طرف دیکھتا رہا' پھر کہنے لگا: ''محترم سردار! تمہاری گفتگو سے اندازہ ہوا کہ تم بالکل سچ کہہ رہے ہو''۔

پھر پوچھنے لگا: اے خالد! اگر آج کوئی اسلام قبول کر لے تو اس کو کیا درجہ دو گے؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: وہی درجہ جو ہر مسلمان کا ہے، اسلام میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں' اسلام میں عزت و احترام کا معیار تقویٰ ہے۔

جرجہ: کیا کوئی اسلام قبول کر کے تمہارے درجے اور مقام کو پہنچ سکتا ہے؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: یقیناً وہ اجر وثواب میں مجھ سے بھی آگے بڑھ سکتا ہے۔

جرجہ: وہ تمہارے برابر کیسے ہو سکتا ہے جب کہ تم اس سے بہت زیادہ اعمال میں سبقت حاصل کر چکے ہو؟

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: ہم اس دین میں جب داخل ہوئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان موجود تھے۔ ہم نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ہمارے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے وحی اترتی تھی اور آپ ان ساری باتوں سے ہمیں باخبر رکھتے تھے۔ اللہ کی آیات ہمیں دکھلاتے تھے جو ہم نے دیکھا وہ بالکل حق تھا۔ جس نے بھی اسے دیکھ لیا اور سن لیا اور اس نے یقین کے ساتھ حق جان لیا۔ مگر تم لوگوں نے وہ کچھ نہیں دیکھا جو ہم دیکھ چکے ہیں۔

جرجہ: آپ نے سچ کہا ہے۔

خالد بن ولید رضی اللہ عنہ: ہاں کعبہ کے رب کی قسم! میں نے تم سے سچ ہی کہا ہے۔ مجھے آپ سے آپ کی قوم سے کوئی طمع نہیں۔

جرجہ: آپ نے سچ فرمایا ہے۔ اس کے بعد جرجہ نے اپنے محافظ دستے

کو واپس کر دیا اور خود خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ لشکر اسلام میں داخل ہوگیا۔ جرجہ نے دو رکعت نماز ادا کی رومیوں نے جرجہ کے محافظ دستے کے واپس آتے ہی زور دار حملے شروع کر دیے۔ حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ اور عکرمہ رضی اللہ عنہ نے ان حملوں کو نہایت بہادری کے ساتھ روکا۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور جرجہ اکٹھے ایک خیمے سے نکلے' گھوڑوں پر سوار ہوئے اور میدان قتال میں جا اترے۔

تلوار کے دھنی جرجہ نے اپنی شجاعت کے جوہر خوب دکھلائے، دوران جنگ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ساتھ ساتھ رہے۔ سورج غروب ہونے والا تھا کہ نیا نیا اسلام میں داخل ہونے والا اللہ کا یہ بندہ دشمن کے کاری وار سے اپنے رب کی جنتوں میں جا پہنچا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد جرجہ بس دو رکعت نماز ادا کر سکے اور شہادت کے عظیم مرتبہ پر فائز ہو گئے۔

فقیر گورنر

سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کا شمار ان بلند پایہ جلیل القدر اور اعلیٰ مقام اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا پورا نام "عامر بن عبد اللہ بن جراح" تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا تعلق مکہ سے تھا اور آپ رضی اللہ عنہ قریشی تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو "امین الامۃ" کا لقب دیا۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، میری امت کے امین سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ ہیں۔"

آپ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر غزوے میں پیش پیش تھے اور کئی جنگی کارروائیوں کے سپہ سالار بھی رہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو شام کا گورنر بنایا گیا۔ ملک شام کا بیشتر حصہ آپؓ نے ہی فتح کیا تھا۔ اس وقت شام ایک بہت وسیع و عریض مملکت پر مشتمل تھا۔ آج اس شام کے علاقے میں چار ممالک، یعنی شام، فلسطین، اردن اور لبنان ہیں جو اسلامی ریاست کا ایک

صوبہ تھا۔ شام کی زمین بہت زرخیز تھی ، مال و دولت کی ریل پیل تھی ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ مدینہ منورہ میں بیٹھ کر سارے عالم اسلام کی کمان کر رہے تھے ۔ ایک مرتبہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ شام کے دورے پر تشریف لائے ۔ اسی دوران سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: '' اے ابو عبیدہ! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے بھائی کا گھر دیکھوں جہاں تم رہتے ہو کیونکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ ابو عبیدہ اتنے بڑے صوبے کے بادشاہ ہیں ۔ یہاں مال و دولت کی بارش ہے' اس لیے ان کا گھر بھی دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے کچھ جمع تو نہیں کیا ہے؟ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: '' اے امیر المومنین ! آپ میرے گھر کو دیکھ کر کیا کریں گے کیونکہ وہاں آپ کو آنکھیں بھگونے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ لہٰذا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں دیکھنا چاہتا ہوں' چنانچہ سیدنا ابو عبیدہ امیر المومنین کو لے کر چلے گئے ۔ چلتے چلتے شہر کی آبادی پیچھے رہ گئی تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا : کہاں جا رہے ہو ؟ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ بس اب قریب ہے' چنانچہ پورا دمشق شہر جو دنیا کے رنگا رنگ مال و اسباب سے جگمگا رہا تھا گزر گیا تو آخر میں جا کر کھجور کے پتوں سے بنا ہوا ایک جھونپڑا دکھایا اور فرمایا : امیر المومنین ! میں یہاں رہتا ہوں۔ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوئے تو چاروں طرف نظریں گھما کر دیکھیں تو وہاں سوائے مصلّے کی کوئی چیز نظر نہ آئی ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت فرمایا : اے

ابو عبیدہ ! تم اس میں رہتے ہو یہاں تو کوئی ساز و سامان ، کوئی برتن ، کوئی کھانے اور پینے کا انتظام نہیں ، تم یہاں کیسے رہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا : امیر المومنین ! الحمد اللہ میری ضرورت کے سارے سامان میسر ہیں یہ مصلّٰی ہے اس پر نماز پڑھتا ہوں اور رات کو اسی پر سو جاتا ہوں' پھر اپنا ہاتھ اوپر چھپر کی طرف بڑھایا اور وہاں سے ایک پیالہ نکال کر دکھایا۔ امیر المومنین یہ برتن ہے ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس برتن کو دیکھا تو اس میں پانی بھرا ہوا تھا اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے بھیگے ہوئے تھے' پھر جب سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس برتن کو رکھ دیا اور کہا : امیر المومنین ! میں دن رات تو حکومت کے فرائض سرانجام دیتا ہوں کھانے وغیرہ کے انتظام کی فرصت نہیں ہوتی ۔ ایک خاتون دو ، تین دن کی روٹی ایک دن میں پکا دیتی ہے ۔ میں روٹی رکھ لیتا ہوں اور جب وہ سوکھ جاتی ہے تو اس کو پانی میں ڈبو دیتا ہوں اور رات کو سوتے وقت کھا لیتا ہوں ۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''اے ابو عبیدہ! اس دنیا کے مال و دولت اور ریل پیل نے ہم سب کو بدل دیا ہے ۔ اللہ کی قسم ! تم ویسے ہی ہو جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے ۔'' یہ کہہ کر آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے ۔ سیدنا ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا: امیر المومنین ! میں تو آپ سے پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ میرا مکان دیکھ کر سوائے آنکھیں بھگونے کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

بادشاہ قاضی کی عدالت میں

ایک شخص کا اونٹ گم ہو گیا لیکن تلاش وبسیار کے باوجود اسے کہیں نہ ملا۔ اسے یقین تھا کہ حاکم وقت کے دربار میں فریاد کروں گا تو اسے سرکاری خزانے سے دوسرا اونٹ ضرور مل جائے گا۔ دارالحکومت اس کے علاقے سے کافی دور تھا۔ پھر بھی وہ کسی نہ کسی طرح خلیفہ کی رہائش تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہاں کوئی دربان تو نہ تھا، البتہ ایک نوجوان نے مسافر کا استقبال کیا اور اسے بتایا کہ خلیفۃ المسلمین سرکاری کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں، کچھ ہی دیر میں واپس آ جائیں گے۔ تب تک کے لیے آپ اس حجرے میں تشریف رکھیے، میں آپ کے لیے کھانا تیار کرتا ہوں۔

جب تک کھانا تیار ہو کر آیا، مسافر نے دیکھا کہ ایک شخص مکان سے متصل مسجد میں آ کر بیٹھا اور اپنے توشے سے خشک روٹی نکال کر اسے پانی میں بھگو بھگو کر کھا رہا ہے۔ نوجوان نے مسافر کے سامنے کھانا پیش کر کے اسے کھانے کی درخواست کی۔ اس نے کہا: "واللہ! میں یہ کھانا اس وقت

تک نہیں کھاؤں گا جب تک اس مسکین کو اپنے ساتھ شریکِ طعام نہ کرلوں جو مسجد کے صحن میں بیٹھا خشک روٹی کھا رہا ہے۔ تب نوجوان نے بتایا کہ یہی تو خلیفہ وقت ہیں اور میں ان کا بیٹا ہوں۔ وہ سادہ غذا کے عادی ہیں اور یہ پرتکلف کھانا ہرگز نہیں کھائیں گے۔

اتنی بڑی سلطنت کے مالک کی یہ سادگی دیکھ کر مسافر حیران رہ گیا۔ اور سرکاری خزانے سے اپنے گم شدہ اونٹ کی جگہ دوسرا اونٹ لے کر وہ امیر المومنین کو دعائیں دیتا ہوا اپنی بستی کی جانب لوٹ گیا۔

ایک مرتبہ اسی خلیفہ کی زرہ ایک یہودی کے ہاتھ لگ گئی۔ خلیفہ نے قاضی شہر کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ پیشی کے وقت عدالت نے مدعی سے اپنے حق میں گواہ پیش کرنے کو کہا۔ خلیفہ نے اپنے بیٹے اور ایک سرکاری ملازم کو بطور گواہ عدالت میں حاضر کیا تو قاضی نے یہ کہہ کر ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ بیٹے کی شہادت باپ کے لیے اور خادم کی شہادت آقا کے حق میں قبول نہیں کی جا سکتی۔ مدعی خلیفہ نے قاضی سے عرض کی: ''یہ محض میرا بیٹا نہیں، اسے رسول اللہ ﷺ نے جوانانِ جنت کے سرداروں میں شمار کیا ہے۔'' قاضی نے جواب دیا: ''مقدمہ زمین پر ہے اور آپ جنت کی باتیں کر رہے ہیں' اپنے دعوے کے ثبوت میں کوئی اور گواہ لایئے۔'' ثبوت نہ ہونے کی بنا پر خلیفہ کا دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ یہودی

اسلامی عدالت کا یہ انصاف دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا۔ باہر نکل کر اس نے خلیفۂ وقت سے معافی مانگی اور زرہ ان کی خدمت میں پیش کر کے مسلمان ہو گیا۔

قاضی ابو شریح کی عدالت میں مقدمہ لے کر جانے والے کوئی عام شہری یا معمولی حاکم نہیں، بلکہ ہمارے چوتھے خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تھے اور انہوں نے جس بیٹے کو بطورِ گواہ پیش کیا' وہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ تھے۔ انہیں اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے جوانوں کا سردار قرار دیا ہے۔

پہلے واقعہ میں خشک روٹی پانی میں بھگو کر کھانے والے خلیفۂ وقت سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی تھے اور جس نوجوان نے مسافر کو خوش آمدید کہہ کر اس کی مدارت کی وہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ تھے۔ تاریخ اسلام کے چوتھے خلیفہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی دنیوی مال و دولت سے بے رغبتی کا عالم یہ تھا کہ درہم و دینار کو ہاتھ میں لے کر فرمایا کرتے کہ افسوس! تو مجھ سے جدا ہوئے بغیر مجھے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا' یعنی جب تک میں تجھے خیرات نہ کر دوں، مجھے سکون ملے گا نہ کوئی اجر و منافع۔"

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ولادت 603 عیسوی' یعنی ہجرت سے بیس سال قبل ہوئی تھی۔ بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ان کی عمر تقریباً سات سال تھی۔ نبی

کریم ﷺ کے گھر میں پرورش کی وجہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا کفر و بت پرستی سے کبھی کوئی واسطہ نہ رہا۔ بچوں میں آپ ہی سب سے پہلے نبی ﷺ پر ایمان لائے ۔ نبی ﷺ کے چچا ابی طالب کے فرزند ہونے کی حیثیت سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی تھے ۔ پھر بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے داماد بھی بن گئے ۔ اپنے پیش روتینوں خلفائے راشدین کے عہد میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے خصوصی مشیر تھے۔ ان کے علم وفضل، سخاوت و بہادری اور عدل و انصاف کے بے شمار قصے تاریخ میں مذکور ومشہور ہیں۔

خلیفۂ سوم سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ مدینہ منورہ میں مسلسل شورش کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ نے دارالخلافہ کوفہ میں منتقل کر دیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دور خلافت سن 35 ہجری سے 40 ہجری تک تقریباً پانچ سال رہا۔ اس عرصہ میں فتنہ وفساد کے بہت سے واقعات نے جنم لیا۔ کبھی خارجیوں نے سر اٹھایا تو کبھی مخلص صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ سے بچھڑ گئے۔ مصر، فلسطین اور لبنان کے بعد عراق کا بھی بڑا حصہ جو باقی نہ بچا بالآخر سترہ رمضان المبارک سن 40 ہجری کو ابن ملجم نامی ایک خارجی کی تلوار سے زخمی ہو کر آپؓ نے شہادت پائی۔

☆ ☆ ☆

چالاک سفیر کی ذہانت

مسلمان اجنادین کا محاصرہ کیے ہوئے تھے' محاصرہ دن بدن لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ ایلچیوں کا تبادلہ ہوتا رہا' صلح کی بات بنتی مگر بگڑ کر ٹوٹ جاتی۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سپہ سالار تھے اور اس کیفیت کو توڑنا چاہتے تھے۔

ایک دفعہ گفتگو شروع ہوئی تو خود سفیر بن کر رومی سپہ سالار سے ملنے چلے گئے' وہ بھی بڑا چالاک آدمی تھا' اس نے باتوں ہی باتوں میں اندازہ کیا کہ جو سفیر بن کر آیا ہے یہ کوئی عام مسلمان نہیں لگتا بلکہ یہ مسلمانوں کا سپہ سالار ہے' جو خود سفیر بن کر آیا ہے۔

اس نے اپنے ایک آدمی سے خفیہ زبان میں کچھ کہا: عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سمجھ گئے (کہ یہ مجھے قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے) اور جان بچانے کی ترکیب سوچنے لگے۔

تھوڑی دیر اس سے باتیں کرنے کے بعد بولے: تم نے جو صلح کی

شرائط پیش کی ہیں، وہ مناسب معلوم ہوتی ہیں، ہمارے خلیفہ نے تم سے گفتگو کرنے کے لیے دس آدمی مقرر کیے ہیں، کل میں ان کے ساتھ تمھارے پاس آجاؤں گا اور ہم بیٹھ کر صلح کی تمام شرطیں طے کرلیں گے۔

رومی سپہ سالار نے سوچا دشمن کے ایک کے بجائے دس آدمی ہاتھ آرہے ہیں بہتر ہے کہ آج کے بجائے کل ان کے قتل کا منصوبہ بنایا جائے۔

اس نے اپنے اسی آدمی کو دوبارہ کچھ کہا اور دروازے کے پیچھے کھڑے آدمی کو جو عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والا تھا ہٹا دیا اور مسلمانوں کے سفیر عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو بڑے تپاک سے رخصت کیا۔سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ واپس آئے تو عہد کیا کہ آئندہ کبھی دشمن کا بھروسا نہیں کریں گے۔دوسرے دن رومی سپہ سالار کو حقیقت کا علم ہوا تو وہ بہت پچھتایا اور بولا: یہ شخص تو مجھ سے بھی زیادہ چالاک نکلا۔

......☆......☆......☆......

غریب بادشاہ

مسلمان جب کسی جنگ میں کامیاب ہوتے تھے تو دشمنوں کا چھوڑا ہوا بہت سامان (مال غنیمت) ان کے ہاتھ لگتا تھا اور وہ مال مسلمانوں میں برابر برابر بانٹ دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کچھ کپڑا مسلمانوں کے ہاتھ آیا' خلیفہ وقت نے وہ تمام کپڑا سب مسلمانوں میں برابر تقسیم کر دیا۔ خلیفہ کو بھی اتنا کپڑا ملا جتنا اوروں کو ملا تھا' دوسرے دن جب خلیفہ سب کے سامنے آئے تو ایک شخص نے پوچھا: "آپ کے کرتے میں جو کپڑا لگا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے جتنا دوسرے مسلمانوں کو ملا ہے' آپ نے زیادہ کپڑا کیوں لیا؟"

خلیفہ نے جواب دیا:

مجھے بھی اتنا کپڑا ملا جتنا ہر مسلمان کو ملا میرا قد چونکہ لمبا ہے اس لیے وہ کپڑا میرے کرتے کے لیے کم تھا' میرے لڑکے نے جب دیکھا تو اپنے حصے کا کپڑا بھی مجھے دے دیا۔ پھر خلیفہ نے سب کے سامنے اس شخص کی

ہمت کی تعریف کی کیونکہ اس نے بڑی بے باکی سے انصاف کا مطالبہ کیا تھا۔

حق دار کو حق دینا ''انصاف'' کہلاتا ہے۔ انصاف کرنے والے کو لوگ بھی چاہتے ہیں اور ایسے انصاف پسند کو اللہ تعالیٰ بھی پسند فرماتے ہیں۔

دیکھا پیارے بچو! کیسا لگا انصاف ؟ کیا آپ جانتے ہیں یہ انصاف کرنے والے کون تھے ؟ ہاں ! یہ جناب سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ دوسرے خلیفہ راشد ہیں جن کی حکومت آدھی دنیا پر قائم تھی جو کہ اس وقت کے امیر المؤمنین تھے' آپ کے فیصلے اور انصاف بہت زیادہ مشہور ہوئے' جو کہ ہم سب کے لیے مشعل راہ ہیں۔

☆......☆......☆......☆......☆

اتنی بڑی مچھلی............؟

رجب 8 ہجری صلح حدیبیہ سے کچھ پہلے ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تین سو سواروں پر مشتمل ایک جماعت سیدنا ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کی امارت میں قریش کے ایک قافلہ کی تلاش میں روانہ فرمائی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر ایک صحابی رسول ﷺ نے تین اونٹ ذبح کیے اور پھر تین اونٹ ذبح کیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہمارے پیارے صحابہ کرامؓ کو درختوں کے پتے بھی جھاڑ جھاڑ کر کھانا پڑ رہے تھے۔ آخر کار لشکر کے امیر ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے اونٹ ذبح کرنے سے منع فرما دیا۔ اس کے فوراً بعد ہی سمندر نے ایک عنبر نامی بہت بڑی مچھلی ساحل پر پھینک دی۔ جس کا گوشت تمام جماعت نے کھایا اور اس کا تیل بھی اپنے جسموں پر لگایا جس سے کمزوری ختم ہوگئی۔ تقریباً آدھے مہینے تک سب نے اس کا گوشت کھایا اور بعض نے توشہ کے طور پر اس کے کچھ ٹکڑے رکھ لیے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شریک تھے۔ فرماتے ہیں کہ ابو عبیدہ بن

جراح رضی اللہ عنہ نے سب سے بڑے آدمی کو سب سے لمبے قد کے اونٹ پر سوار کیا اور اسے عنبر مچھلی کی پسلی کے ایک کانٹے کے نیچے سے گزار دیا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتنی بڑی مچھلی ہوگی؟

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مچھلی کے کچھ توشے لائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہمیں بھی یہ کھلایئے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھایا اور فرمایا: ''یہ ایک رزق ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے برآمد کیا تھا''۔

......☆......☆......☆......

بھوک وپیاس کا عذاب

اب کی بار تو کافروں کا بہت بڑا لشکر مسلمانوں کے مرکز مدینہ پر حملے کی تیاری کر رہا تھا' اس لشکر میں عرب کے سبھی قبائل سے ہزاروں جنگجو شامل تھے اور تیاری بھی بھرپور تھی۔ سارے عرب کے کافروں کا منصوبہ تھا کہ اس دفعہ مسلمانوں اور اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا جائے۔ ادھر جب نبی اکرم ﷺ کو کافروں کے اس منصوبے کی خبر ہوئی تو آپ نے مقابلہ کے لیے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔

آپ نے پیارے نبی محمد ﷺ کے پیارے صحابی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کا نام تو سنا ہی ہوگا! جب کافروں نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کے لیے مدینہ منورہ پر چڑھائی کرنے کا پروگرام بنایا تو اس وقت پیارے نبی ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کافروں کا کس طرح مقابلہ کیا جائے؟ تو سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ہمیں مدینے کے ایک طرف خندق کھود لینی چاہیے تاکہ اس طرف سے دشمن ہم تک نہ پہنچ سکے اور ہم دشمنوں کو خندق کی طرف ہی روک کر شکست دے دیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے اس مشورے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند کیا۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کو مدینے کے شمال میں گہری اورطویل خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔

پیارے بچو! کیا آپ جانتے ہیں کہ پانچ ہزار پانچ سو چوالیس میٹر لمبی، سو میٹر چوڑی اور سوا تین میٹر گہری خندق کھودنے کا مشکل ترین کام کیسے مکمل ہوا؟

پیارے بچو! ہمارے پیارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کی کھدائی کے لیے کام کو اس طرح تقسیم کیا کہ آپ نے دس دس آدمیوں کے مجموعے (گروپ) بنائے اور ہر مجموعے کو چالیس ہاتھ خندق کھودنے کا کام سونپ دیا خندق کھودنے والوں کی کل تعداد تقریباً ایک ہزار تھی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی خندق کھودنے والوں میں شریک تھے۔ کچھ لوگ کھدائی کر رہے تھے اور کچھ لوگ مٹی کو باہر نکالنے کا کام کر رہے تھے۔

صحیح بخاری میں حدیث ہے براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خندق سے مٹی ڈھو رہے تھے اس وقت کھانے پینے کی چیزوں کی بہت زیادہ کمی تھی، سخت بھوک کی وجہ سے کئی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر باندھ رکھا تھا۔ ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھوک کا شکوہ کیا اور پیٹ پر

ایک ایک پتھر دکھلایا تو رسول اللہ ﷺ نے اپنا کپڑا ہٹا کر اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے دو پتھر دکھلائے۔ یہ صورت حال دیکھ کر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم انتہائی صبر و شکر کے ساتھ کام مزید تندہی سے کرنے لگے کہ ہمارے رہبر ہیں حالانکہ محنت و مشقت میں تو ہمیں آگے ہونا چاہیے تھا۔

پیارے بچو ! آپ اس واقعے سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ خندق کھودنے والے مسلمان بھوک و پیاس کے باوجود کتنی محنت اور مشقت کا کام کر رہے تھے۔ خندق کی کھدائی کے دوران اگر کوئی مشکل مرحلہ پیش آتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نبی کریم ﷺ کو بتاتے تھے' جیسا کہ براء بن عازب رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ خندق کی کھدائی کے دوران ایک سخت چٹان آ گئی جس پر کدال کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا تو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ ﷺ تشریف لائے کدال لی اور "بِسْمِ اللّٰہ" کہہ کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئی ہیں' پھر آپ ﷺ نے دوسری ضرب لگائی تو ایک دوسرا ٹکڑا کٹ گیا اور فرمایا: اللہ اکبر! مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔

پیارے بچو! ہمارے پیارے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دن بھر مل جل کر مسلسل محنت' صبر اور حوصلہ کے ساتھ کام کرنے کی وجہ سے خندق کھودنے کا انتہائی مشکل کام مکمل ہوا۔ جب

کافروں نے مینکے مسلمانوں پر حملہ کیا تو وہ خندق عبور نہ کر سکے اور شکست کھا کر واپس لوٹ گئے' اس طرح اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی محنت کو قبول کیا اور فتح سے نوازا۔ اس لیے آپ بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اسلام کو بچانے کے لیے نبی کریم ﷺ اور ان کے ساتھیوں نے کتنی قربانیاں دیں اور مشقتیں اٹھائیں' پھر یہ دین ہم تک پہنچا ورنہ کافر ہر وقت یہی سوچتے اور چاہتے تھے اور آج تک یہی کچھ کرتے آئے ہیں کہ اسلام کو دنیا سے مکمل طور پر ختم کر دیا جائے۔ ہمیں یہ بھی دیکھنا اور سمجھنا چاہیے کہ اگر ہم بھی اپنے پیارے رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق خلوص اور محنت کے ساتھ کام کریں تو اللہ تعالیٰ ہمیں بھی کامیابی دے گا اور اگر ہم بھی خندق کھودنے والوں کی طرح روزانہ محنت کے ساتھ مل جل کر کام کریں تو کوئی بھی کام ہمارے لیے مشکل نہیں ہوسکتا' اس دنیا میں بڑی بڑی عمارتیں، سڑکیں، پل، ٹیلی فون، بجلی اور دیگر ایسے ہی نظام اور چیزیں انسان نے آہستہ آہستہ اور مل جل کر بنائی ہیں' اس لیے ہمیں یہ کبھی نہیں سوچنا چاہیے کہ فلاں کام اتنا بڑا اور مشکل ہے' اس لیے وہ نہیں ہوسکتا۔ ہر کام ممکن اور آسان ہے اگر اس کے لیے ہم پختہ [illegible] ۔ یہ واقعہ ہمارے لیے [illegible] مشکل اور پریشانی میں اپنا کام ترک نہیں [illegible] چاہیے' کامیابی کی اصل بنیاد ہے

بچوں کے لیے ہماری دیگر دلچسپ تربیتی کتب